

مولانا ڈاکٹر اکرام اللہ جان قاسمی

ڈائریکٹر مرکز تحقیق اسلامی۔ پشاور صدر

سر سید احمد خان اپنے عقائد و نظریات کی روشنی میں

علم و عمل، زہد و تقویٰ اور تصوف و روحانیت کے عظیم امام حضرت حسن بصری (ابوسعید بن یسار متوفی ۱۱۰ھ) بصرہ کی جامع مسجد میں قرآن، حدیث اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک دن گناہ کبیرہ کے مرتکب کی حیثیت پر بحث چھڑ گئی۔ آپؑ نے جمہور علماء کا مسلک بیان کیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگرچہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کے ایک بڑے دروازے میں داخل ہو جاتا ہے مگر اس ارتکاب سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کافر نہیں بن جاتا اور بدستور مسلمان رہتا ہے۔ اس پر آپ کے ایک شاگرد واصل بن عطاء (متوفی ۱۳۱ھ) نے اختلاف کیا اور کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مؤمن ہے اور نہ کافر۔ اس نے منزلة بین المنزلین (کفر اور اسلام کے درمیان ایک درجہ) کا عقیدہ اختراع کیا۔ اور حضرت حسن بصریؑ کی مجلس سے اٹھ کر اسی بصرہ کی جامع مسجد میں الگ ایک ستون کے ساتھ اپنا درسی حلقہ قائم کیا۔ حضرت حسن بصریؑ نے اس موقع پر فرمایا اعتزل عنا واصل ہم سے جدا ہو گیا۔ یہ بظاہر ایک چھوٹا سا جملہ ہے اور بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ ایک فرد اپنے استاد سے جدا ہوا۔ مگر حقیقت میں واصل نے فرقہٴ معتزلہ کی بنیاد رکھی اور وہ جمہور علماء حق کے جادہٴ مستقیم سے جدا ہو گیا تھا۔

معتزلہ فرقہ نے دینی عقائد و احکام کیلئے عقل کو معیار قرار دیا یعنی جس بات کو عقل تسلیم کر لے وہ درست ہے اور جسے عقل ٹھکرادے وہ غلط ہے۔ معتزلہ کے عقائد میں سے ایک بات یہ تھی کہ صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں اور ان کا الگ کوئی تشخص نہیں۔ مگر جادہٴ حق پر قائم بات یہ کہ عقیدہ یہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات۔ نیز ان کا عقیدہ تھا کہ قرآن کریم محدث اور مخلوق ہے جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم قدیم ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ ازل سے قائم ہے۔ فقہ کے مشہور امام احمد بن حنبلؑ کو معتزلہ کے انہی عقائد کی مخالفت میں قید با مشقت میں رکھا گیا تھا اور عباسی خلیفہ معتصم باللہ نے آپ کو اپنے سامنے کوڑے لگوائے تھے مگر آپؑ انتہائی استقامت کے ساتھ اپنے حق موقف پر ڈٹے رہے تھے۔ معتزلہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ انسان کبھی خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ نہ قیامت کے دن اور نہ قیامت کے بعد۔ ان کا یہ عقیدہ قرآنی آیت و جَوَہٗ یَوْمَئِذٍ لَّا طَوْرَہٗ اِلٰی رَبِّہَا ناظرہ کے بالکل خلاف تھا۔ نیز ان کا عقیدہ تھا کہ انسان اپنے افعال خیر و شر کا خود خالق ہے نیز وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ خدا پر واجب ہے کہ وہ صرف بندوں کی بھلائی کو ہی کام انجام دے۔ ان کے علاوہ بھی ان کے اور بہت سے باطل

نظریات تھے۔

امام ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعریؒ (متوفی ۳۳۰) بمقام بصرہ ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتداً آپ معتزلہ کے امام ابوعلی جبائی کے پیروکار اور شاگرد خاص تھے آپ کو جبائی اکثر اپنی جگہ مناظروں کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ امام اشعریؒ چالیس سال تک معتزلی عقائد پر قائم رہے۔ اور یہ طویل عرصہ معتزلہ کے ایک زبردست داعی کی حیثیت سے گزرا۔ مگر ایک رات ان کو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اے ابو الحسن! میری احادیث کی تائید کرو اس لئے کہ وہ صحیح ہیں۔“ (الغزالی، شبلی نعمانی ص ۷۲) چنانچہ امام ابو الحسن نے بصرہ کی جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے فرقہ معتزلہ کے بڑے بڑے عقائد گنا گنا کر ان سے برأت کا اعلان فرمایا اور فرمایا کہ آج میں اعتزال کے بوسیدہ عقائد کو یوں اتار کے پھینکتا ہوں جیسے میری یہ عباہ (چغہ) اور آپ نے واقعی اپنی عباہ اتار کر پھینک دی۔ اس کے بعد اشعری مذہب کی بنیاد رکھی۔ آپ نے معتزلہ کی رد میں کتابیں لکھیں اور مناظرے کئے۔ اور ان کے مذہب کو اہل سنت کی کثیر تعداد نے اپنایا۔

جیسے پہلے کہا گیا کہ معتزلہ کے ہاں دینی عقائد و احکام میں عقل کو معیار قرار دیا گیا تھا جو بات سمجھ میں آتی قبول کی جاتی اور جو عقل میں نہ آتی رد کر دی جاتی۔ اس چیز کو روشن خیالی کہا جاتا ہے۔ روشن خیالوں کا سارا زور اس پر خرچ ہو جاتا ہے کہ دینی عقائد و اعمال کو عقل کے ترازو میں پیش کر دیں ورنہ کوئی توجیہ اپنی طرف سے کر کے اصل حکم کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں۔ روشن خیالی کے نام پر تاریک ضمیری، ضمیر فروشی اور جمہور علماء کی راہ سے انحراف ہر دور میں چلتا رہا۔ تا آنکہ برصغیر میں انگریزوں کا دور آیا۔ پھر انگریز کی کاسہ لیس اور تلوے چاٹنے کیلئے بے ضمیروں کی ایک لمبی فہرست سامنے آئی۔ ان میں سے کبھی مرزا غلام قادیانی کی صورت میں کسی نے جہاد کا انکار کیا اور اس کیلئے جھوٹی نبوت کا سہارا لے کر انجام کار بیت الخلاء میں مرنے کا اعزاز ساتھ لے گیا۔ اور کبھی غلام پرویز اور سر سید احمد خان کی صورت میں ’معجزات‘، ’جنت‘، ’دوزخ اور فرشتوں کے منکرین پیدا ہوئے۔ اور انگریزوں سے خوب خوب داؤد شجاعت لے کر دنیاوی مفاد حاصل کئے اور اپنی آخرت کو تباہ و برباد کر گئے۔ ہم نے غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز پر الگ طور پر قلم آزمائی کر کے اہل ایمان کے سامنے ان کے دجل و فریب کو طشت از بام کیا ہے البتہ لمبی داؤدھی والے سر سید احمد خان کو زیر نظر طور میں خصوصی طور پر ہدف تنقید بنایا ہے۔ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ موجودہ دور کے ان معتزلہ کے افکار و نظریات کو پہچان کر اپنے ایمان و عمل کو ان کے فریب کاری سے بچائیں۔ اور جو سادہ لوح مسلمان ان کے کھلمے میں آچکے ہیں ان کے بارے میں فکر مند ہو کر ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ ذیل میں سر سید احمد خان کا تعارف اور اس کے عقائد و نظریات کو مختصر الفاظ میں طشت از بام کیا جاتا ہے۔

سر سید احمد خان کا تعارف

سر سید احمد خان کے آباؤ اجداد کشمیر کے باشندگان تھے۔ شاہ عالم ثانی (پیدائش

۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء) دہلی کے تخت پر ۳۵ سال براجمان رہا۔ اس کے دور میں دہلی کے علماء و فضلاء کا بادشاہ سے اختلاف ہوا اور جو علماء کلیدی عہدوں پر فائز تھے انہوں نے استعفیٰ دے کر کنارہ کشی اختیار کر لی۔ دوسری طرف انہی ایام میں کشمیر میں قحط پڑا۔ سرسید کے خاندان کے بڑوں نے جب اس دوران دہلی کے ان اعلیٰ عہدوں اور مناصب کو خالی پایا تو اپنے آبائی وطن کشمیر کو خیر باد کہہ کر عازم دہلی ہوئے۔ اعلیٰ ملازمتوں کے حصول کیلئے جو جتن کئے جاتے ہیں اور جو جھکندے استعمال ہوتے ہیں وہ تمام سرسید کے بزرگوں نے روار کھے اور ان مناصب پر فائز ہوئے۔ سرسید دہلی میں ۱۸۱۷ء میں سید متقی کے گھر میں پیدا ہوا۔ سن بلوغت کو پہنچا تو عام ابتدائی مرحلہ علوم میں شہد حاصل کر چکا تھا۔ مولانا مخصوص اللہ اور مولانا مملوک علیؒ سے کچھ ابتدائی مذہبی علوم کی تحصیل کی۔ پھر سریانی اور عبرانی زبانوں کے سیکھنے میں مصروف ہو کر کچھ ابتدائی کامیابی حاصل کی اور علامہ بننے کے زعم میں پادریوں کے ساتھ مناظرے شروع کئے جس میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ روشن خیالی کے اس امام نے روشن مستقبل کے خواب دیکھنا شروع کئے تو ایک سہل طریقہ یعنی پیری مریدی کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن اس میدان میں جن اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے اس کے فقدان کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر محکمہ مال کی ملازمت اختیار کر لی اور ملازمت کے کچھ مراحل طے کرنے کے بعد مختاری کا امتحان پاس کر کے ۱۸۵۷ء تک جج کے عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی دل کھول کر مدد کی۔ انگریزوں کو اپنے اور اپنے احباب و رشتہ داروں کے گھروں میں پناہ دے کر سفید فاموں کو محفوظ مقامات پر پہنچانے میں خوب شہرت حاصل کی۔ عین ممکن تھا کہ اگر سرسید اور اس کے اعوان و انصار انگریزوں کی مدد نہ کرتے تو انگریز ۱۸۵۷ء ہی میں ہندوستان چھوڑ کر واپس برطانیہ چلے جاتے۔ کہا جاتا ہے کہ انگریز کو افغانستان میں قدم جانے کا موقع اس لئے نہیں ملا کہ وہاں ان کو کوئی سرسید ہاتھ نہیں آیا تھا۔

سرسید کو جدید دنیا کے روشن خیال نئے دور کا مجذوب اور مسلمانوں کی ترقی کا راہنما سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے برصغیر میں وارد ہونے سے قبل یہاں پر تعلیم کا ایک بے مثل نظام رائج تھا۔ دینی مدارس کا جال پھیلا ہوا تھا۔ انہی مدارس کے فارغ التحصیل علماء نہ صرف مساجد و مدارس کا نظام سنبھالے ہوئے تھے بلکہ سیاست اور نظام حکومت کا زمام بھی انہی کے ہاتھوں میں تھا۔ انگریزوں نے اس اسلامی نظام تعلیم کی بساط لپیٹنے کیلئے سرسید کی خدمات حاصل کیں۔ سرسید نے یورپ جا کر وہاں کے نظام تعلیم کا بغور مطالعہ کیا اور واپس آ کر علی گڑھ میں محض اور سنٹیل کالج کی بنیاد رکھی۔ جہاں پر قدیم و جدید کے امتزاج سے نصابات رائج کئے۔ بعد میں اس کالج کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا درجہ ملا۔ جو آج بھی قائم ہے۔ مسلمان چونکہ انگریز اور اسکی تعلیم سے معتقد تھے اور کسی صورت اس کو قبول نہیں کر پارہے تھے لہذا دینی مدارس کے بالمقابل سرسید کے وضع کردہ نصاب تعلیم کی صورت میں مسلمانوں کو مغربی تہذیب و تمدن کی طرف راغب کر رہے تھے۔ دوسری طرف انگریزوں نے دینی مدارس کی بساط لپیٹنے کیلئے دینی مدارس کے اوقاف کو ضبط کیا۔

نصاب اور نظام تعلیم پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے لگے اور اس کو فرسودہ اور دقیقاً نوی قرار دینے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ دینی مدارس کے فارالتحصیل علماء کی ملازمتوں پر پابندی لگادی گئی۔ دوسری طرف انگریزی نظام تعلیم کی سرپرستی اور دلجوئی کی گئی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ دینی مدارس معدوم ہوتے گئے اور لارڈ میکالے کا نظام تعلیم رائج ہوتا گیا جس کا خلاصہ لارڈ میکالے نے یہ بیان کیا تھا کہ ”ہم نے ہندوستان میں اپنے نظام تعلیم کے ذریعہ ایسی پودتیاں کرنی ہے جو شکل و صورت کے لحاظ سے ہندوستانی ہو مگر دل و دماغ اور جذبات و احساسات کے لحاظ سے انگریز ہو۔“

سر سید نے انگریزوں کا آگے کاربن کر مسلمانوں میں ان کیلئے ذہنی و قلبی لحاظ سے ماحول بنانے کی کوشش کی تو سر سید کو ان خدمات کے صلہ میں انگریزوں نے مختلف خطابات اور اعزازات سے نوازا چنانچہ اسے خان بہادر (Sir)۔ شاہی مشیر (K. B) انڈیا کا امین جج (K. C)۔ قانون کا ڈاکٹر (L. L. D) جیسے خطابات اور ڈگریوں سے نوازا۔ اور دو پشتوں تک دو سو روپے پنشن سے بھی سرفراز کیا۔ سر سید نے دنیاوی اعزازات تو حاصل کر لئے مگر وہ یہ بھول گیا تھا کہ اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے الکفر ملة واحدة تمام کفر ایک ہی ملت ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے تناظر میں جب ہم باطل فرقوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیرت انگیز طور میں ان میں باہمی مماثلت اور باطل افکار پر اتفاق نظر آتا ہے۔ چنانچہ مرزائیوں کے فرقہ مضالہ کی تاریخ احمدیت میں مرقوم ہے کہ سر سید نے مرزا غلام قادیانی جہنم مکانی کی بڑی معاونت کی ہے اور ان کی کتابوں کو بہت سراہا ہے۔ قادیان کے جھوٹے نبی نے کہا ہے کہ سر سید تین باتوں میں مجھ سے متفق ہے۔ ایک یہ کہ ”عیسیٰ“ بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے بلکہ معمول کے مطابق ان کا باپ تھا۔ (واضح رہے کہ عیسائیوں کے ایک فرقے کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ مریمؑ کے یوسف نامی ایک شخص سے تعلقات تھے جس کے نتیجے میں حضرت عیسیٰؑ شادی سے قبل پیدا ہوئے۔ نعوذ باللہ من ذالک) دوسرے یہ کہ ”عیسیٰ“ کو آسمان پر نہیں اٹھایا گیا بلکہ اس سے ان کے درجات بلند کرنا مراد ہے۔ تیسرے یہ کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو روح مع الجسد معراج نہیں ہوئی بلکہ صرف ان کی روح کو معراج ہوئی ہے۔

تاریخی واقعات اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ مرزا غلام قادیانی اور سر سید احمد خان حیار و مکار انگریزوں کے خود کاشتہ پودے تھے۔ ان دونوں سے انہوں نے وہ کام لئے جو وہ اپنے ملکوں کی ساری دولت خرچ کر کے بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان دونوں کو سفید قام دشمنان اسلام نے یہ خدمت سونپی تھی کہ دین اسلام میں اپنے باطل نظریات اور خرافات کے ذریعہ شکاف ڈال کر اہل اسلام کو ذہنی اور مذہبی جنگ میں جھونک دیں تاکہ وہ بے فکر ہو کر ہندوستان پر حکومت کے مزے لوٹنے رہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ سر سید نے بہت سارے مضامین، مقالات اور کتب تحریر کی ہیں مگر سب سے مقصد ان کی اپنے غلط نظریہ کی ترویج و اشاعت ہے۔ سر سید نے ایک کتاب خلق الانسان یعنی انسانی پیدائش سے متعلق لکھی ہے۔ جس میں ڈارون کے اس نظریہ کی تصدیق و توثیق کی گئی ہے کہ انسان پہلے بندر تھا پھر بتدریج انسان بنا۔ حالانکہ قرآن و سنت کے نصوص سے صراحتاً ثابت ہے کہ انسان آدمؑ کی اولاد ہے اور آدمؑ کوٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ سر سید ان صریح نصوص کا منکر ہے۔

سر سید نے ایک کتاب ”اسباب بغاوت ہند“ کے نام سے لکھی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کرتے ہوئے علم جہاد بلند کیا تھا۔ سر سید کو اس سے بہت دکھ ہوا کہ انگریزوں کے خلاف مسلمان کیوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے اس جہاد کو بغاوت کا نام دیا۔ اور بغاوت کے اسباب بیان کر کے ”اسباب بغاوت ہند“ نامی کتاب لکھی جس میں مسلمانوں کو انگریز حکومت کے تابع فرمان رہنے کا مشورہ دیا۔ نیز مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ تمھاری کامیابی اس میں ہے کہ انگریزی زبان اور علوم سیکھو اور انگریزی تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگ جاؤ تا کہ فرق باقی نہ رہے اور دوریاں ختم ہوں۔

سر سید کی طرف ایک کتاب ”آثار الصنادید“ منسوب کی جاتی ہے جو دہلی کے اکابر، علماء اور امراء کے حالات اور ان کے محاررات کی نشاندہی پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی ”تحریر فرماتے ہیں کہ آثار الصنادید سر سید کی تالیف نہیں ہے بلکہ شاہجہان آباد کے رہنے والے مرزا بخش محمود نے ایک کتاب سیر المنازل لکھی تھی جو فارسی زبان میں تھی۔ آثار الصنادید اسی کا اردو ترجمہ ہے جسے سر سید کی ذاتی تالیف کی شہرت دی گئی ہے۔

سر سید کی تفسیر القرآن

سر سید نے تفسیر القرآن کے نام سے پندرہ پاروں کی تفسیر لکھی ہے جو درحقیقت تحریف القرآن ہے۔ اس کی چھ جلدیں سورہ فاتحہ سے لیکر سورہ اسراء تک سر سید کی زندگی ہی میں علی گڑھ کالج سے شائع ہوئیں۔ ساتویں جلد سورہ کہف سے سورہ طہ تک ان کی وفات کے بعد علی گڑھ بک ڈپو نے شائع کی۔ سر سید نے تفسیر القرآن کیلئے یہ معیار مقرر کیا کہ ان کی زندگی تک تاریخ اسلام کے تیرہ سو سال کے عرصہ میں تواریث اور تواتر کیا تھیں نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرامؓ، تابعین اور علماء و اولیاء امت سے قرآن کریم کی جو تفسیر منقول چلی آ رہی تھی سر سید نے اس جادہ مستقیم کو چھوڑ کر اپنی محدود عقل اور بے علمی کا سہارا لیا اور ایک خانہ ساز تفسیر مرتب کی۔ بقول بعض علماء کے قرآن کی وہ خود ساختہ تفسیر لکھی جس کی طرف نہ خدا کا ذہن گیا، نہ جبرائیل امینؑ کا، نہ آخری پیغمبر ﷺ کا، نہ صحابہ کا اور نہ تابعین کا۔ سر سید نے خود لکھا ہے کہ ”میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن کریم پر غور کیا اور چاہا کہ قرآن کو خود ہی سمجھنا چاہیے“ (تفسیر القرآن ص ۱۹) چنانچہ سر سید نے اسلام کے متواتر ذوق اور نبی سے اتر کر خود قرآن پر غور کیا اور اپنے انگریز آقاؤں کو خوش

کرنے کی خاطر اسلام کے نام پر اپنے طحانہ نظریات سے فرنگیانہ اسلام کی عمارت تیار کرنا شروع کی جس میں نہ ملائکہ کے وجود کی گنجائش ہے نہ ہی جنت و دوزخ کا کہیں نشان ہے۔ اور نہ جنات اور ابلیس کے وجود کا اعتراف ہے۔ اور معجزات و کرامات تو ان کے نزدیک مجنونہ باتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کی خود مدد داری لی ہے۔ اور ہر دور میں جب باطل سر اُبھارتا ہے تو حق بھی اُسے لٹکارتا ہے۔ فارسی کا مقولہ مشہور ہے ”ہر فرعون نے راموسی“ ہر فرعون کیلئے اللہ تعالیٰ کوئی موسیٰ پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ سرسید کے باطل نظریات کی سرخوبی کیلئے اللہ تعالیٰ نے علماء حق کو پیدا فرمایا۔ اس سلسلے میں سرسید کے غلط افکار و نظریات کو جس شخصیت نے سب سے زیادہ ہدف تنقید بنا کر طشت از بام کیا وہ حضرت مولانا عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ ہیں۔ آپؒ ہندوستان کے ضلع انبار میں ۱۸۳۹ء کو پیدا ہوئے اور دہلی میں ۱۹۱۶ء کو وفات پائی۔ آپؒ نے قرآن کریم کی تفسیر فتح المنان لکھی جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس تفسیر میں آپؒ نے قرآنی آیات کے اصلی مقاصد و مطالب کھول کر بیان کئے۔ اور اس کی ابتداء میں ایک طویل مقدمہ لکھ کر سرسید کے تمام لغویات کو کھول کھول کر بیان کیا اور اس کی تردید مسکت جوابات کے ذریعہ کی۔

خود سرسید کے پیر و کار و معتقد مولانا الطاف حسین حالی مؤلف مسدس (وفات دسمبر ۱۹۱۳ء) تحریر فرماتے ہیں کہ سرسید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور ان سے ریک لکچر میں سرزد ہوئی ہیں۔ (حیات جاوید مطبوعہ آگرہ ص ۱۸۴)

اس کے علاوہ مولانا محمد علی مراد آبادی نے البرہان علی جھیل من قال بغیر علم فی القرآن میں سرسید کے غلط نظریات پر خوب پکڑ کی ہے۔ شیعہ مفسر ابو عمار علی رئیس سونی پت (وفات ۱۸۸۶ء) نے بھی سرسید کی رد میں تفسیر عمدۃ البیان لکھی جس نے شہرت اور مقبولیت پائی۔ نیز عبد اللہ یوسف علی نے اپنی انگریزی تفسیر قرآن میں لکھا ہے کہ سرسید کی تفسیر قرآن علماء امت کے مسلمہ اصول و نظریات سے متصادم ہے۔

سرسید کے افکار و نظریات

۱) رفع کوہ طور کا انکار

سرسید نے دین اسلام کو عقل کی ترازو میں تول کر مسلمانوں دین کا انکار کیا۔ اور قرآن کریم میں جہاں معجزات یا مظاہر قدرت خداوندی کا ذکر ہے اس کی تاویل فاسدہ کر کے من مانی تشریح کی ہے۔ چنانچہ پہلے پارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہود سے جب عہد و پیمان لیا جا رہا تھا تو اس وقت کوہ طور کو ان کے سروں پر اٹھا کر لاکھڑا کر دیا تھا۔ جسے سارے مفسرین نے بیان کیا ہے۔ سرسید اس واقعہ کا انکار کرتا ہے اور لکھتا ہے۔ ”پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر نہیں رکھا تھا بلکہ آتش فشاں سے پہاڑ مل رہا تھا اور وہ اس کے نیچے کھڑے یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ان کے سروں پر گر پڑے گا۔“ سرسید نہ صرف آیت کی غلط تاویل کرتا ہے بلکہ نہایت ڈھنڈائی کے ساتھ مفسرین کا مذاق بھی اڑاتا ہے۔

بزرگی اور تعظیم والا' لوگوں کیلئے قیام کا باعث بنایا ہے۔ (المائدہ : ۹۷) مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو بابرکت' باعث ہدایت' لوگوں کیلئے مقام رجوع و مقام امن اور قیام کا باعث فرمایا۔ ان آیات اور دوسری روایات کے باعث مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس گھر کو باعث صد تکبر و تعظیم خیال کرتے ہیں اور اس کی حفاظت و نگہداشت کو ایمان کا جزہ قرار دیتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا

ایک ہیں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تاجخاک کا شجر

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ کعبہ شریف دینی اور دنیاوی دونوں حیثیت سے قابل احترام ہے کیونکہ کعبہ شریف تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق' تکمیل روحانیت اور علوم و ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے۔ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقاء کا باعث ہے۔ دنیا کی آبادی اس وقت تک ہے جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام اور اکرام کرنے والے موجود ہیں۔

محدث کبیر حضرت امام شاہ ولی اللہؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۳ء) فلسفہ اسلام سے متعلق اپنی لازوال تصنیف جہۃ اللہ البالغۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ چار چیزیں شعائر اللہ میں سے اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ (۱) قرآن کریم (۲) پیغمبر (۳) کعبۃ اللہ (۴) نماز۔ واضح رہے کہ کعبہ اسلام کا مرکز اور محور ہے اور اس کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ ارشاد باری ہے وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَلَا يَهْدِي اللَّهُ قَلْبَهُ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ عَمَلًا غُضُوبًا يَوْمَ يَصُورُ۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم و تکریم کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔ (الحج : ۳۲) اور مسلمانوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کریں۔ ارشاد ہے۔ بَنَا إِلَٰهِنَا اللَّهُ دِينَهُ لَعَنَ اللَّهُ الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَهُمْ شَعَائِرُ اللَّهِ - اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حرمتی مت کرو۔ (المائدہ : ۲) اس تمہید کے بعد اب ذرا کلیچہ تمام کر سرسید کی ہرزہ سرائی کعبۃ اللہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔ نقل کفر کفر نباشد۔ اپنی تفسیر القرآن کے نام پر وہ تحریف القرآن میں لکھتا ہے۔

”جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکونے گھر میں ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ ان کی خام خیالی ہے۔۔۔۔۔ اس چوکونے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے اس کے گرد قواوت اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوئے۔“ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۲۱۱ و ۲۱۵)

وہ مزید لکھتا کرتا ہے ”کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے۔۔۔ نماز میں سمت قبلہ کوئی اصلی حکم مذہب اسلام کا نہیں ہے۔“ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۱۵۷ و ۱۶۱)

(جاری ہے)